سورۃ القریش

آیاتہا ۴ ﴿۱۰۶ سُوْرَۃُ قُرَیْشٍ مَکِّیَّۃٌ ۲۹﴾ رکوعہا ۱

جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے (1)۔ اور ضحاک وکلبی کے نزدیک مدنی ہے۔ اس کی چار آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۝

"اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے دلوں میں الفت پیدا کر دی"۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سورت معنی میں ماقبل سورت کے ساتھ ملی ہوئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے اصحاب فیل کو ہلاک کیا تا کہ قریش باہم الفت کرنے لگیں یا باہم متفق ہو جائیں یا قریش امن میں ہو جائیں اور اپنے دونوں سفروں سے مانوس ہو جائیں۔ جنہوں نے دونوں سورتوں کو ایک سورت شمار کیا ہے وہ حضرت ابی بن کعب ہیں، ان کے مصحف میں دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: ہمارا ایک امام تھا جو دونوں میں کوئی فرق نہیں کرتا تھا وہ ان دونوں کو اکٹھا پڑھا کرتا تھا۔ عمرو بن میمون اودی نے کہا: ہم نے مغرب کی نماز حضرت عمر بن خطاب کے پیچھے پڑھی تو انہوں نے پہلی رکعت میں سورۃ التین کی تلاوت کی اور دوسری میں اَلَمْ تَرَ كَيْفَ اور لِاِیْلٰفِ قریش پڑھی۔ فراء نے کہا: یہ سورت پہلی سورت کے ساتھ ملی ہوئی ہے (2) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کے سامنے اپنی اس عظیم نعمت کا ذکر کیا جو اس نے حبشہ کے ساتھ وہ سلوک کر کے کی تھی پھر فرمایا: ہم نے یہ اصحاب فیل کے ساتھ اس لیے کیا تا کہ قریش پر احسان ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش اپنی تجارت کے لیے نکلتے دور جاہلیت میں نہ ان پر کوئی حملہ کیا جاتا اور نہ بری نیت سے ان کے قریب ہوا جاتا۔ لوگ کہتے: وہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے خادم ہیں یہاں تک کہ ہاتھی والا آیا تا کہ کعبہ کو گرائے، اس کے پتھر اٹھا لے جائے اور ان کے ساتھ یمن میں گھر بنائے لوگ جس کا حج کیا کریں اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمت کو یاد دلایا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ یہ اس لیے کیا تا کہ قریش اس سفر سے مانوس ہوں اور ان پر حملہ کرنے کی کوئی جرأت نہ کرے؛ مجاہد کا یہی قول ہے۔ اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت نقل کی ہے اس کا یہی معنی ہے (3)؛ اسے نحاس نے ذکر کیا ہے۔ احمد بن شعیب، عمرو بن علی سے وہ عامر بن ابراہیم سے۔ جو لوگوں میں سے اچھا اور قابل اعتماد تھا۔ وہ خطاب بن جعفر بن ابی مغیرہ سے وہ اپنے باپ جعفر سے وہ سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اس کا معنی ہے قریش پر میرا احسان یہ ہے کہ انہیں موسم سرما اور موسم گرما میں سفر میں مانوس کر دیا۔ کہا: وہ مکہ مکرمہ میں موسم سرما

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 325　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً، جلد 8، صفحہ 327

گزارتے اور طائف میں موسم گرما گزارا کرتے تھے۔ اس تاویل کی بنا پر آیات کے سروں پر وقف کرنا جائز ہے اگرچہ کلام مکمل نہیں جس طرح سورت کے درمیان اس کی وضاحت کریں گے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ماقبل کے ساتھ متصل نہیں کیونکہ دونوں سورتوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ ہے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ پہلی سورت ختم ہو چکی ہے اور دوسری شروع ہو چکی ہے اور لام فَلْيَعْبُدُوْا کے متعلق ہے یعنی ان لوگوں کو اس گھر کے رب کی عبادت کرنی چاہیے کیونکہ انہیں خوراک کے حصول کے لیے موسم سرما اور موسم گرما کے سفر سے مانوس کر دیا۔ خلیل نے اس طرح کہا کہ یہ متصل نہیں گویا فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قریش کو مانوس کیا پس انہیں اس گھر کے رب کی عبادت کرنی چاہیے؛ یہ کسائی اور اخفش نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا کہ لام، الی کے معنی میں ہے ابن عامر نے اسے لالاف قریش پڑھا ہے (1) یعنی یہ کلمہ ہمزہ کے ساتھ اس میں یاء کے بغیر اختلاس کا قاعدہ جاری ہوا ہے۔ ابوجعفر اور اعرج نے اسے لیلاف پڑھا ہے یعنی ہمزہ کے بغیر مقصود تخفیف تھا۔ باقی قراء نے لایلاف پڑھا ہے یاء کے ساتھ جبکہ اس سے پہلے ہمزہ ہے اس میں اشباع کا قاعدہ جاری کیا ہے۔ یہ آلفت، أولف، ایلاف ہے۔ شاعر نے کہا:

المُنْعِمِين إذا النجوم تغيرتْ والظاعنِينَ لرحلةِ الإيلافِ

جب ستارے متغیر ہو جاتے ہیں تو وہ انعام کرنے والے ہیں اور ایلاف کے سفر کا ارادہ کرنے والے ہیں۔

یوں باب چلایا جاتا ہے: أَلِفْتُهُ إِلْفًا وإلافا۔ ابوجعفر نے اسے لِإِلْفِ بھی پڑھا ہے۔ شاعر نے دونوں لفظوں کو جمع کر دیا ہے:

زَعَمْتُمْ أَنْ إِخْوَتَكُمْ قُرَيْشٌ لهم إلف وليس لكم إلاف

تم گمان کرتے ہو کہ تمہارے بھائی قریش ہیں ان کے لیے الف اور تمہارے لیے ایلاف ہے"۔

جوہری نے کہا: یوں جملہ ذکر کیا جاتا ہے فلانٌ قد ألف هذا الموضع يألفه ألفا، آلفه إياه غیرہ۔ یوں بھی کہا جاتا ہے: ألفتِ الموضع أولفه إيلافا، اسی طرح ہے آلف الموضع أولفه مُوالفة وإلافا۔ پس باب افعال اور باب مفاعلہ کی ماضی کی صورت ایک ہی طرح کی ہے۔ عکرمہ نے اسے لیالف پڑھا ہے۔ مصحف ابن مسعود میں اسی طرح ہے۔ لام امر کو فتحہ دینا یہ بھی ایک لغت ہے جسے ابن مجاہد اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔ عکرمہ اس آدمی پر عیب لگاتے جو لإيلاف پڑھتا بعض اہل مکہ نے ألاف قریش پڑھا اور ابو طالب کے قول سے استشہاد کیا جو ابولہب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تاکیدی وصیت کرتے ہیں:

فلَا تَتْرُكَنْه ماحِيِيت لِمُعْظَمٍ وكنْ رجلا ذا نَجْدَةٍ وعفافِ

تذود العِدا عن عُصْبة هاشمية إلافُهم في النّاس خيرُ إلَافِ

جب تک تو زندہ ہے تو عظمت شان کی خاطر تو اسے نہ چھوڑ اور شرف و پاکدامنی والا آدمی بن جا، ہاشمی جماعت سے دشمنی کو دور کر ان کی محبت لوگوں میں بہترین محبت ہے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 629

جہاں تک قریش کا تعلق ہے وہ بنونضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر ہیں۔ نضر کی اولاد میں سے جو بھی شخص ہے وہ قریشی ہے، بنو کنانہ اور اس سے اوپر کے افراد کو قریش نہیں کہتے۔ بعض اوقات وہ قریشی کہتے ہیں یہی قیاس ہے۔ شاعر نے کہا:

بکلّ قُرَیْشِیٍّ علیه مَهابَةٌ

ہر قریشی پر ہیبت وجلال ہے۔

اگر تو قریش سے حی مراد لے تو تو اسے منصرف قرار دے گا اور اگر اس سے قبیلہ مراد لے تو اسے غیر منصرف قرار دے گا۔ شاعر نے کہا:

وکَفَی قُرَیْشَ المُعْضِلاتِ وسادَها

اس مصرعہ میں قریش میں قاعدہ جاری ہو رہا ہے۔

قُرَیْشٌ کا معنی اکتساب ہے تقرشوا کا معنی ہے وہ جمع ہوئے جب کہ وہ حرم کے علاوہ جگہوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ قصی بن کلاب نے انہیں حرم میں جمع کر دیا یہاں تک کہ قریش نے اسے اپنا مسکن بنا لیا۔ شاعر نے کہا:

أبونا قُصَیٌّ کان یُدْعَی مُجَمِّعًا   به جمع الله القبائلَ من فِهرِ

ہمارا باپ قصی تھا جسے مجمع کہا جاتا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فہر قبائل کو جمع کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ قریش، بنو فہر بن مالک بن نضر ہیں جو فہر کی اولاد نہیں وہ قریشی نہیں جب کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت مروی ہے: إنا ولد النضر بن کنانه لا نقفو أمنا ولا ننتفی من أبینا(1) ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں ہم اپنی ماؤں پر تہمت نہیں لگاتے اور ہم اپنے آباء سے نسب کی نفی نہیں کرتے۔ حضرت واثلہ بن اسقع نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إنّ الله اصطفی کِنانة من ولد إسماعیل واصطفی من بنی کِنانة قریشا واصطفی من قریش بنی هاشم واصطفانی من بنی هاشم(2) اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے بنو کنانہ کو چنا، بنو کنانہ میں سے قریش کو چنا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم میں سے مجھے چنا۔ یہ حدیث صحیح اور ثابت ہے اسے امام بخاری، امام مسلم اور دوسرے علماء نے نقل کیا ہے۔ انہیں قریش نام دینے میں کئی اقوال ہیں:

(۱) وہ جدا جدا ہونے کے بعد جمع ہوئے تھے اور تقرش کا معنی جمع ہونا اور ملنا ہے۔ ابو جلدہ یشکری نے کہا:

إخوة قَرَّشُوا الذنوبَ علینا   فی حدیثٍ من دهرهم وقدیم

وہ ایسے بھائی ہیں جنہوں نے قریب زمانہ اور قدیم زمانہ میں بھی ہمارے خلاف گناہوں کو جمع کیا۔

(۲) وہ تاجر لوگ تھے وہ اپنی کمائی سے کھاتے تھے۔ اور تقرش کا معنی کمانا ہے اس کا باب یوں چلاتے ہیں قَرَشَ، یَقْرُشُ،

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب من نفی رجلا من قبیلته، حدیث نمبر 2601، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 2، صفحہ 245

تقرشا اس وقت کہتے ہیں جب وہ مال کمائے اور جمع کرے۔ فراء نے کہا: اسی وجہ سے انہیں قریش کہا گیا۔
(۳) وہ حاجیوں کی ضروریات کی جستجو کرتے اور ان کی ضرورت کو پورا کرتے۔ قریش کا معنی تفتیش کرنا ہے۔ شاعر نے کہا:

أيها الشامتُ المقرش عنا عند عمرو فهلْ له إبقاء

اے ہماری تکلیف پر خوش ہونے والے اور ہمارے بارے میں عمرو کے ہاں تفتیش کرنے والے کیا اس نے ہمیشہ رہنا ہے۔

(۴) روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ قریش کو قریش کیوں کہا گیا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: سمندر میں ایک طاقتور جانور ہے جس کو قرش کہتے ہیں جو خود تو دوسروں کو کھا جاتا ہے مگر اسے نہیں کھایا جاتا، وہ خود غالب آجاتا ہے کوئی اس پر غالب نہیں آتا اور تبع کے اشعار پڑھے:

وقريش هي التي تسكن البحر بها سميت قريش قريشا

تاكل الغث والسمين ولا تت رك فيها لذي جنا حين ريشا

هكذا في البلاد حي قريش يأكلون البلاد أكلا كميشا

ولهم آخر الزمانِ نبيٌّ يكثر القتل فيهم والخموشا

قریش وہ جانور ہے جو سمندر میں رہتا ہے اسی کی مناسبت سے قریش کو قریش کا نام دیا گیا وہ کمزور اور موٹے کو کھا جاتا ہے اور وہ اس سمندر میں دو پروں والے کو بھی نہیں چھوڑتا ملکوں میں اسی طرح قریش قبیلہ ہے وہ ملکوں کو اس طرح تیزی سے کھا جاتا ہے ان میں آخر زمانہ میں نبی ہوگا، ان میں بہت زیادہ قتل اور زخم ہوں گے۔

اٖلفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝

''الفت تجارتی سفر کی جاڑے اور گرمی (کے موسم) میں''۔

مجاہد اور حمید نے اسے إلْفهم پڑھا ہے یعنی لام ساکن ہے اور یاء کے بغیر ہے ابن کثیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حضرت اسماء نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الفهم پڑھتے ہوئے سنا۔ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے بھی یہ قراءت مروی ہے۔ ابو جعفر اور ولید جو اہل شام سے تعلق رکھتے ہیں اور ابو حیوہ نے الافهم پڑھا ہے یعنی ہمزہ میں اختلاس کا قاعدہ جاری کیا اور یا نہیں ہے۔ ابو بکر نے عاصم سے ائلافهم دو ہمزوں کے ساتھ پڑھا ہے پہلا ہمزہ مکسور ہے اور دوسرا ساکن ہے۔ دو کلموں میں دو ہمزوں کو جمع کرنا شاذ ہے باقی قراء نے ایلافهم مد اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہی پسندیدہ ہے یہ پہلے ایلاف سے بدل ہے مقصود وضاحت ہے یہ آلف کا مصدر ہے جب تو اسے الفت کرنے والا بنا دے۔ آلف، إلفا۔ جس طرح اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے یعنی وہ موسم سرما اور موسم گرما کے سفر سے مانوس ہوئے۔ فرمایا: ان پر موسم سرما اور موسم گرما کا سفر شاق نہیں یہ قریش پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے احسان ہے۔ ہروی اور دوسرے علماء نے کہا: اصحاب ایلاف چار تھے ہاشم، عبد شمس، مطلب اور نوفل یہ سب بنو عبد مناف تھے۔ جہاں تک حضرت ہاشم کا تعلق ہے اس نے شام کے

بادشاہ سے معاہدہ کیا تھا جس کی وجہ سے اس کی شام کی طرف تجارت امن میں ہوئی تھی ان کے بھائی عبد شمس تھے انہوں نے حبشہ والوں سے معاہدہ کیا تھا۔ مطلب نے یمن والوں سے معاہدہ کیا تھا اور نوفل نے فارس والوں سے معاہدہ کیا تھا۔ یؤلف کا معنی پناہ دینا بھی ہے انہیں بھائیوں کو پناہ دینے والے بھی کہتے۔ قریش کے تاجران بھائیوں کے معاہدہ کی وجہ سے مختلف شہروں کی طرف آیا جایا کرتے تو ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جاتا۔ ازہری نے کہا: ایلاف اجارہ کو خفارہ سے تشبیہ دینا۔ اجارہ کا معنی مدد کرنا اور حمایت کرنا ہے اور خفارہ کا معنی امان ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: آلف یؤلف یہ اس وقت کہتے ہیں جب اس نے بوجھ اٹھانے والے اونٹوں کو امان دے کر مدد کی۔ حمائل، حمولہ کی جمع ہے کہا: اس کا معنی ہے کہ قریش حرم کے رہائشی تھے ان کے لیے کوئی کھیتی اور جانور نہ تھے وہ موسم سرما اور موسم گرما میں امن سے تجارت کو جاتے تھے جب کہ ان کے اردگرد لوگوں سے مال چھین لیا جاتا تھا۔ جب کوئی آدمی ان کے سامنے رکاوٹ بنتا تو یہ کہتے: ہم الله کے حرم والے ہیں تو لوگ ان کا راستہ چھوڑ دیتے۔

ابو الحسین احمد بن فارس بن ذکریا نے اپنی تفسیر میں کہا سعید بن محمد، بکر بن سہیل دمیاطی سے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ اس کا معنی ہے کہ موسم سرما اور موسم گرما میں انہیں سفر سے مانوس کر دیا۔ اس کی صورت یہ بنی کہ قریش میں سے جب کسی کو بھوک ستاتی تو وہ اور اس کے گھر والے ایک معروف جگہ کی طرف جاتے اپنے اوپر ایک خیمہ لگاتے تو وہ مر جاتے یہاں تک کہ عمرو بن عبد مناف کا زمانہ آیا وہ اپنے زمانے کا سردار تھا اس کا ایک بیٹا تھا جس کو اسد کہتے اس کا بنی مخزوم میں ایک ہم عمر تھا جس سے اسد محبت کرتا اور اسی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا اس ساتھی نے اسد سے کہا: ہم کل اعتفاد کریں گے۔ ابن فارس نے کہا: اس روایت میں یہ ایسا لفظ ہے جس کے بارے میں میں نہیں جانتا کہ یہ دال کے ساتھ ہے یا راء کے ساتھ ہے اگر یہ راء کے ساتھ ہے تو شاید عفر سے ہو جس کا معنی مٹی ہے اگر وہ دال کے ساتھ ہو تو میں اس کا معنی نہیں جانتا جو میں گمان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ اس خیمہ کی طرف جائیں گے اور ایک ایک کر کے مر جائیں گے اسد اپنی ماں کے پاس روتے ہوئے گیا اور اس کے ہم عمر ساتھی نے جو کچھ کہا تھا اس کا ذکر کیا تو اسد کی والدہ نے ان لوگوں کی طرف آٹا اور چربی بھیجی جس کی مدد سے انہوں نے چند دن گزارے پھر اس کا ساتھی آیا کہا: ہم کل اعتفاد کریں گے تو اسد اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے گیا اور اپنے ساتھی کی بات بتائی یہ بات عمرو بن عبد مناف پر شاق گزری۔ وہ قریش کی مجلس میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے سارے قریش ان کی اطاعت کرتے تھے عمرو نے کہا: تم نے ایک ایسا کام شروع کر رکھا ہے جس کے ذریعے تم کم ہوتے جا رہے ہو اور عرب بڑھتے جا رہے ہیں تم بے یار و مددگار ہو رہے ہو جب کہ عرب غالب ہو رہے ہیں تم الله کے حرم والے اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے سب سے معزز ہو لوگ تمہارے تابع ہیں ممکن ہے یہ اعتفاد تم پر غالب آ جائے۔ انہوں نے کہا: ہم تیری اتباع کریں گے۔ عمرو نے کہا: اس آدمی سے آغاز کرو یعنی اسد کے ہم عمر کے والد سے۔ اسے اعتفاد سے غنی کر دو۔ تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر انہوں نے اونٹ ذبح کیا بھیڑ بکریاں ذبح کیں پھر ثرید بنایا اور لوگوں کو کھلایا تو اس کا نام ہاشم پڑ گیا۔ اس کے بارے میں شاعر نے کہا:

عمرو الذی هشم الثريد لقومه

عمرو وہی ہے جس نے اپنی قوم کے لیے ثرید تیار کیا۔
پھر اس نے تمام خاندانوں کو دو تجارتی سفروں پر جمع کیا موسم سرما میں یمن کی طرف اور موسم گرما میں شام کی طرف۔ غنی نے جو نفع کمایا اسے اپنے اور فقیر کے درمیان تقسیم کیا یہاں تک کہ ان کا فقیر غنی ہو گیا۔ اسلام آیا تو وہ اس معاشرتی ادب پر تھے عربوں میں سے کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جو مال اور عزت میں قریش سے بڑھ کر ہو اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

والخالطون فقيرهم بغنيهم حتى يصير فقيرهم كالكافي

وہ اپنے فقیر کو اپنے غنی کے ساتھ ملانے والے ہیں یہاں تک کہ ان کا فقیر کفایت کرنے والے کی طرح ہو جاتا ہے۔
عرب اس طرح تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول بنا کر بھیج دیا تو ارشاد فرمایا پس چاہیے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے ہاشم کے عمل کے واسطے سے بھوک میں کھانا کھلایا اور عربوں کے بڑھنے اور قریش کے کم ہونے کے خوف سے نجات عطا فرمائی۔
رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّيۡفِ ۝ میں رحلۃ کا لفظ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے تقدیر کلام یوں ہو گی ارتحالهم رحلة، یا ایلافهم اس میں عامل ہے یا ظرف ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے اگر تو اسے محل رفع میں رکھے جب کہ معنی یہ ہو هما رحلة الشتاء والصيف تو یہ بھی جائز ہے۔ جب کہ پہلی تعبیر زیادہ مناسب ہے رحلۃ سے مراد سفر کرنا ہے۔ دو سفروں میں سے ایک سفر موسم سرما میں یمن کی طرف ہوتا کیونکہ یمن کا علاقہ گرم ہے اور دوسرا سفر موسم سرما میں شام کی طرف ہوتا کیونکہ وہ سرد علاقہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: وہ موسم سرما مکہ مکرمہ میں گزارتے تھے کیونکہ یہ علاقہ گرم تھا اور موسم سرما طائف میں گزارتے تھے کیونکہ اس کی آب و ہوا بہت اچھی تھی (1)۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ ایک قوم کے لیے گرم علاقہ ہو جس کے ذریعے وہ موسم سرما کی سردی کو دور کر سکے اور ایک سرد علاقہ ہو جس کے ذریعے وہ موسم گرما کی گرمی دور کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس نعمت کا ذکر کیا۔ شاعر نے کہا:

تَشۡتِي بمكة نَعۡمَةً ومَصِيفُها بالطائِفِ

وہ آسودگی سے مکہ مکرمہ میں موسم سرما گزارتی ہے اور اس کا موسم گرما طائف میں گزرتا ہے۔

یہاں چار مسائل ہیں:

قرأت وقف اور عدم وقف کی صورت میں

مسئلہ نمبر 1۔ قاضی ابو بکر بن عربی اور دوسرے علماء نے یہ پسند کیا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان لِإِيلَٰفِ یہ ماقبل فعل کے متعلق ہے (2) اسے مابعد کے متعلق کرنا جائز نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَلۡيَعۡبُدُوا۟ رَبَّ هَٰذَا ٱلۡبَيۡتِ ۝ کہا: جب یہ امر ثابت ہے کہ یہ دوسری سورت کے ساتھ متعلق ہے جب کہ نئی کلام کے ساتھ، بیان کے نئے شروع کرنے اور بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ کے لکھنے سے اس سے تعلق ختم کر دیا گیا ہے تو اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کلام کے مکمل ہونے سے قبل بھی

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 327
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1981

قراء کے لیے وقف کرنا جائز ہے وہ مقامات جہاں قراء وقف کرتے ہیں یہ ایسی چیز نہیں جس کو انہوں نے شرعی طریقہ سے اخذ کیا ہے بلکہ اصل میں وہ طلباء کو معانی کی تعلیم دینا چاہتے ہیں جب وہ اسے جان لیتے تو جہاں چاہیں وقف کر لیں جہاں تک سانس کے ٹوٹنے پر وقف کرنے کا معاملہ ہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں جب تجھے اس قسم کا عارضہ لاحق ہو تو ماقبل حصہ کا اعادہ نہ کر بلکہ وہاں سے ہی شروع کر لے جہاں تیری سانس ٹوٹی تھی اس بارے میں یہ میری رائے ہے انہوں نے جو کچھ کہا ہے اس پر کسی حال میں کوئی دلیل نہیں لیکن میں کلام کے مکمل ہونے پر وقف پر اعتماد کرتا ہوں کیونکہ ان کے نقطہ نظر سے باہر جانا بھی مجھے ناپسند ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کے صحیح ہونے پر دلیل نبی کریم ﷺ کی قراءت ہے کہ آپ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پر وقف کرتے پھر الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝ پر وقف کرتے یہ کتاب کے مقدمہ میں بات گزر چکی ہے۔ مسلمانوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ۝ پر وقف کوئی قبیح نہیں۔ تو اسے کیسے قبیح کہا جا سکتا ہے جب کہ اسے پہلی رکعت میں پڑھا جاتا ہے اور بعد والی سورت کو بعد والی رکعت میں پڑھا جاتا ہے تو قراءت کے قطع ہونے کے ساتھ ساتھ درمیان میں کئی ارکان بھی آ جاتے ہیں کسی عالم نے اسے مکروہ نہیں جانا۔ اس میں کوئی علت نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ۝ آیت کی انتہا ہے اس پر قیاس یہ ہے کہ آیات کے اختتام پر وقف کرنا کوئی ممتنع نہیں خواہ کلام مکمل ہو اور غرض ختم ہو یا کلام مکمل نہ ہو اور غرض ختم نہ ہو۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے آیات کے سرے منظوم کلام کی زینت اور زیور ہیں۔ اگر یہ نہ ہو تو منظوم، منثور سے واضح نہ ہو اس میں کوئی خفا نہیں کہ منظوم کلام بہت ہی حسین ہوتی ہے تو اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ فواصل، منظوم کلام کے محاسن میں سے ہوتے ہیں جس نے فواصل (آیات کے سرے) پر وقف کر کے ان کا اظہار کیا تو اس نے کلام کے محاسن کو ظاہر کیا اور وقف کو ترک کرنا ان محاسن کو مخفی کرتا ہے اور منثور کلام کو منظوم کلام کے مشابہ کرتا ہے یہ پڑھی جانے والی کلام کے حق میں خلل ڈالنا ہے۔

شتاء کا معنی و مفہوم

مسئلہ نمبر 2۔ امام مالک نے کہا: شتاء سے مراد نصف سال اور صیف سے مراد نصف سال ہے میں ربیعہ بن ابی عبد الرحمن اور ان کے ساتھیوں کو ہمیشہ دیکھتا رہا کہ وہ اپنی پگڑیوں کو نہیں اتارتے تھے مگر جب ثریا طلوع ہوتی یہ بشنس کا انیسواں دن ہے یہ رومیوں یا ایرانیوں کے مہینوں کی تعداد کے مطابق پچیسواں دن ہے ثریا کے طلوع ہونے سے میری مراد ہے کہ جب ٹیکس وصول کرنے والے نکل پڑتے ہیں اور لوگ اپنے مویشیوں کو اپنے اپنے چشموں کی طرف لے کر چل پڑتے ہیں اور ثریا کے طلوع ہونے سے مراد موسم گرما کا آغاز اور موسم سرما کا اختتام ہے یہ ایسا نقطہ نظر ہے جس میں ان کے ساتھیوں میں کوئی اختلاف نہیں صرف اشہب نے ان سے ایک قول یہ نقل کیا ہے: جب ھقعہ (1) گر پڑے تو رات کم ہو جاتی ہے ثریا کے طلوع کو موسم گرما کا آغاز بنایا گیا ہے تو ضروری ہے کہ پورے سال میں اس کا حصہ چھ ماہ ہوں۔ پھر موسم گرما کے چلے جانے کے بعد موسم سرما کے چھ ماہ آ جاتے ہیں۔ محمد بن حکم سے ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو یہ قسم اٹھاتا ہے کہ وہ فلاں آدمی سے گفتگو نہیں کرے گا

1۔ وہ تین روشن ستارے جو ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں۔

یہاں تک کہ موسم سرما آجائے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس سے گفتگو نہ کرے یہاں تک کہ ہاتور (1) کے سترہ دن گزر جائیں اگر اس نے کہا کہ وہ اس سے بات نہیں کرے گا یہاں تک کہ موسم گرما داخل ہو جائے تو وہ اس سے بات نہ کرے یہاں تک کہ بشنس کے انیس دن گزر جائیں، کیونکہ اگر تو منازل کا حساب لگائے جیسے کہ وہ ہیں یعنی تیرہ راتیں ایک منزل کی ہیں تو تو جان لے گا کہ ہاتور کے انیس دن گزر جانے پر اس کی منازل ختم نہیں ہوتیں مگر جب کہ بشنس کے انیس دن داخل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

زمانہ کی اقسام

مسئلہ نمبر 3۔ ایک قوم نے کہا زمانہ کی چار قسمیں ہیں (۱) موسم سرما (۲) موسم بہار (۳) موسم گرما (۴) موسم خزاں۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے وہ موسم سرما، موسم گرما، موسم قیظ اور موسم خریف (خزاں) ہے۔ امام مالک نے جو کہا وہ زیادہ صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمانہ کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے ان کا تیسرا نہیں بنایا۔

دو زمانوں میں دو مقامات پر وقت گزارنا

مسئلہ نمبر 4۔ جب اللہ تعالیٰ نے قریش پر دو سفروں یعنی موسم سرما اور موسم گرما کے سفروں کے ساتھ احسان فرمایا جس طرح یہ پہلے گزرا ہے تو اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ ایک آدمی کا دو زمانوں میں دو مقامات پر وقت گزارنا جائز ہے۔ یہ زمانہ میں ان کا حال دوسرے کی بنسبت زیادہ نعمت کا باعث ہوگا، جس طرح موسم سرما میں مجلس بحری (سمندر کی طرف سے آنے والی ہوا کی جگہ) میں بیٹھنا اور موسم سرما میں مجلس قبلی (شمال کی جانب سے چلنے والی ہوا کی گزرگاہ) میں بیٹھنا اور ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے روشن دان وغیرہ بنانا اور گرمی حاصل کرنے کے لیے گدے وغیرہ استعمال کرنا۔

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝

"پس چاہیے کہ وہ عبادت کیا کریں اس خانہ (کعبہ) کے رب کی"۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی عبادت کرنے اور وحدانیت کا پرچار کرنے کا حکم دیا کیونکہ اس نے انہیں دو سفر کرنے کی محبت سے نوازا۔ فعل کے اوپر فاء اس لیے داخل ہوئی ہے کیونکہ کلام میں شرط کا معنی پایا جاتا ہے معنی یہ بنے گا اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں اگر تم باقی نعمتوں کی وجہ سے اس کی عبادت نہیں کرتے تو اس ایک نعمت کی وجہ سے اس کی عبادت کرو جو ظاہر نعمت ہے۔ یہاں بیت سے مراد کعبہ ہے ان کے سامنے اپنا یہ تعارف کرواتا کہ وہ اس بیت کا رب ہے اس کی دو وجہیں ہیں:

(۱) ان کے بت تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے آپ کو ممتاز کیا۔

(۲) کیونکہ بیت اللہ شریف کی وجہ سے انہیں تمام عربوں پر فضیلت عطا کی گئی تھی تو انہیں اپنا احسان جتلانے کے لیے ان کے سامنے اس کا ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے رب کعبہ کی عبادت سے مانوس ہو جائیں جس طرح وہ دونوں سفروں سے مانوس ہیں۔ عکرمہ نے کہا: قریش بصریٰ کی طرف سفر کرنے سے مانوس تھے اور یمن کی طرف سفر کرنے سے

1۔ مغربی علاقہ کی زبان کا لفظ ہے جس طرح مارچ ہے۔

مانوس تھے تو انہیں کہا گیا کہ وہ مکہ مکرمہ میں ٹھہریں اور اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔ موسم سرما کا سفر یمن کی طرف اور موسم گرما کا سفر شام کی طرف ہوتا تھا۔

الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ۙ وَّ اٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ۟

''جس نے انہیں رزق دے کر فاقہ سے نجات بخشی اور امن عطا فرمایا انہیں (فتنہ و) خوف سے''۔

مِّنۡ جُوۡعٍ سے مراد ہے بھوک کے بعد۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ نعمت قریش کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے نصیب ہوئی آپ نے یہ دعا کی تھی: رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارۡزُقۡ اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ (البقرہ:126) اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنادے اور اس کے مکینوں کو پھلوں سے رزق عطا فرما۔

ابن زید نے کہا: عرب ایک دوسرے پر غارت گری مچاتے بعض بعض کو قید کر لیتے حرم کی وجہ سے قریش اس آفت سے محفوظ تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَوَلَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجۡبٰۤى اِلَيۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىۡءٍ (القصص:57) ایک قول یہ کیا گیا ہے: موسم سرما اور موسم گرما میں ان پر سفر بڑا شاق گزرا تو اللہ تعالیٰ نے اہل حبشہ کے دلوں میں یہ ڈال دیا کہ وہ کھانا کشتیوں کے ذریعے ان تک پہنچائیں تو انہوں نے اس طرح کھانا ان تک پہنچایا۔ قریش ان سے خوفزدہ ہوئے کہ وہ ان سے جنگ کرنے کے لیے آئے ہیں تو قریش اپنا دفاع کرنے کے لیے ان کی طرف نکلے تو کیا دیکھا کہ وہ ان کے لیے کھانا لائے ہیں اور ان کی خوراک کے ذریعے ان کی مدد کی۔ اہل مکہ جدہ اونٹوں اور گدھوں کو لے جاتے اور کھانا خرید لیتے یہ دو راتوں کی مسافت پر تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس اطعام سے مراد یہ ہے جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں بددعا کی اور یوں عرض کی: اللّٰھم اجعلھا علیھم سنین کسنی یوسف (1) تو قحط شدید ہو گیا انہوں نے کہا: اے محمد! ہمارے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے بے شک ہم ایمان رکھنے والے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو یمن کے علاقے تبالہ اور جرش سرسبز و شاداب ہو گئے اور انہوں نے کھانا مکہ مکرمہ تک پہنچایا تو مکہ مکرمہ کے لوگ بھی آسودہ ہو گئے۔

ضحاک، ربیع، شریک اور سفیان نے کہا کہ خوف سے مراد کوڑھ کا مرض ہے ان کے شہر میں کوڑھ کا مرض کسی کو لاحق نہیں ہوتا۔ اعمش نے کہا: اس کا معنی ہے کہ انہیں حبشیوں سے امن دیا جب کہ ان کے ساتھ ہاتھی بھی تھا۔ حضرت علی شیر خدا کی طرف ایک قول یہ منسوب ہے کہ اس کا معنی ہے خلافت ان میں رہے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا: سفر کی محبت نے انہیں بادشاہوں سے غنی کر دیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ لفظ عام ہے۔

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 7260